تحقیق کی اسلامی روایت اور مغرب پر اس کے اثرات

حافظ محمد نعیم*

تحقیق کا جذبہ فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جس نے انسان کو غار کی زندگی سے موجودہ سائنس و ٹیکنالوجی کے دور میں لا کھڑا کیا ہے۔ تحقیق و جستجو کا مادہ اگر انسان میں فطری طور پر نہ پایا جاتا تو آج بھی انسان دوسری مخلوقات کی طرح اپنی ابتدائی و فطری حالت پر ہی ہوتا لیکن تہذیبی و معاشرتی اور سماجی ارتقاء میں وحی الٰہی کے صورت میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ جس قدر اس جذبے کا حصہ ہے کوئی بھی دوسرا جذبہ اس کے مقابل نہیں۔ یہی وہ جذبہ ہے جس نے انسان کو اپنے اردگرد کی عجیب الخلقت اشیاء کو سمجھنے اور ان کے بارے میں جاننے کے لیے مجبور کیا۔ تاریخِ انسانی میں جو چیزیں ابتدائی طور پر انسان کی معبود ٹھہریں تحقیق و جستجو کے بعد وہی چیزیں انسان کی خدمت میں لگ گئیں۔

تحقیق دراصل نام ہے ایک ایسے طرزِ فکر کا جو اشیاء کو ان کی اصل حقیقت میں جاننے اور سچائی کی تلاش پر مجبور کرتا ہے(۱)۔ بے یقینی کی کیفیت سے یقین کی طرف جانے کا نام تحقیق ہے(۲)۔ تحقیق ایک ایسے ذہنی رویے اور طرزِ فکر کی غمازی کرتی ہے(۳)۔ جو حقائق کی قابل اعتماد ذرائع سے عالمانہ انداز میں چھان بین کر کے بے کم و کاست اس کا ابلاغ کردے۔

تحقیق و جستجو کی طرف رغبت اگرچہ انسانیت کا ورثہ ہے لیکن تاریخِ انسانی کو اگر اٹھا کر دیکھیں تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ غور و فکر و تدبر اور تحقیق کی تاکید اور اس رویے کی عملی صورت جس قدر مسلمانوں میں ملتی ہے دنیا کی دیگر اقوام اس خصوصیت کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہیں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو جہالت و غفلت کی زندگی سے علم و تحقیق کی طرف بلاتا ہے۔ مسلمانوں کی کتاب قرآنِ مجید پوری عالمِ انسانیت کو دعوتِ تحقیق دیتی ہے۔ اس کتاب عظیم میں تفکر، تدبر، تعقل، تنظر، حکمت، تبصرہ اور تذکر جیسی اصطلاحات کا وجود اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ یہ عالم انسانیت کو اندھے، بہرے اور گونگے بن کر اشیاء سے گذرنے کی بجائے غور و فکر، مشاہدہ، تدبر و تفکر اور تحقیق کی دعوت دیتی ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں تقریباً ۷۰۰ سے زائد آیات ایسی ہیں جن میں غور و فکر اور تفکر و تدبر کی دعوت دی گئی ہے۔ قرآن انسان کو مظاہر کائنات اور خود انسان کے وجود کے حوالے سے غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور انسان کو اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ جو کچھ اس کائنات میں ہے سب کچھ انسان کے لیے مسخر کیا گیا ہے۔(۴)

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

قرآن مجید نے بہت سے سائنسی حقائق بیان کیے ہیں اور اپنے بیان کردہ حقائق کو پرکھنے کا کھلے عام اعلان کرتا ہے۔ قرآن میں بیان کردہ سائنسی حقائق کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے جو کہ بائبل میں بیان کیے گئے ہیں لیکن کوئی ایک بیان بھی ایسا نہیں جو سائنسی تحقیقات سے ٹکراتا ہو۔ اس کے برعکس عیسائیت کے ماننے والوں نے بائبل کے عقلی مطالعہ پر پابندی لگادی کیونکہ اس میں کچھ بیانات ایسے تھے جو عقل، تجربہ اور سائنسی تحقیقات سے متصادم تھے۔ عیسائیت کے مذہبی پیشواؤں نے بائبل کے اندر تحریف تسلیم کرنے کی بجائے سائنس اور بائبل کے تقابلی مطالعہ پر پابندی لگادی (۵)۔ اور جن لوگوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور غور وفکر اور عقل وخرد سے کام لینے کی کوشش کی ان لوگوں کے خلاف چرچ نے بہت ظلم وستم ڈھائے اور مختلف قسم کے ٹریبونل بنا کر ان کو سخت قسم کی سزائیں سنائی گئیں صرف ۱۴۸۱ء سے ۱۸۰۸ء تک اس حوالے سے چرچ نے ۳۴۰،۰۰۰ لوگوں کو سزا سنائی اور ان میں سے تقریباً ۳۲،۰۰۰ لوگوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ اس وقت عیسائی دنیا کی فضاء پر خوف کے بادل چھائے تھے اور کوئی شخص بھی سزا کے تصور کے بغیر آزادانہ تحقیق کا تصور نہیں کرسکتا تھا (۶)۔ اس صورت حال کے عین مخالف مسلمانوں کے اندر آزادانہ تحقیق اور غور وفکر کی کھلی آزادی تھی۔ قرآن وحدیث نے علم وتحقیق کا ایک ایسا ماحول مسلمانوں کو مہیا کیا جس سے تحقیق وجستجو کی روایت پروان چڑھی۔ قرآن اس حوالے سے اپنے ماننے والوں سے کچھ اس انداز میں مخاطب ہوتا ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَافَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (۷)

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو''۔

چنانچہ مسلمانوں نے اس اصول پر سختی سے عمل کیا اور اس اصول کو سب سے پہلے قرآن کی جمع وتدوین اور روایت کے حوالے سے استعمال کیا اور اس قدر حزم واحتیاط کا ثبوت دیا کہ غیر مسلموں کو بھی اس بات کا اعتراف کرنا پڑا۔

قرآنِ مجید کے ساتھ ساتھ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار وعمل اور قول وفعل سے ہمیں تحقیق کی روایت کی عملی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

''کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ماسمع''(۸)

''آدمی کے جھوٹے ہونے کی یہ دلیل کافی ہے کہ جو کچھ سنے روایت کردے''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسری جگہ فرمایا:

''ماحدثتم عنی مما تنکرونه فلا تاخذوا به فانی لا اقول المنکر ولست من اهله''۔(۹)

''جب تمہارے سامنے میرے حوالے سے ایسی حدیث بیان کی جائے جس سے تمہارے دل کو نفرت ہو تو اسے حاصل نہ کرو (یعنی قبول نہ کرو) کیونکہ میں نہ تو منکر (نامناسب) بات کہتا ہوں اور نہ ہی

میرے اندر اس کی اہلیت ہے"

اسی مفہوم کو ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ اس انداز سے ادا فرمایا:

"اذا حدثتم عنی حدیثاً تعرفونه ولا تنکرونه فصد قوا به' واذ احدثتم عنی حدیثاً تنکرونه ولا تعرفونه فلا تصدقوا به" (۱۰)

"جب تمہارے سامنے میری طرف سے ایسی حدیث بیان کی جائے جسے تم جانتے ہو اور اسے تم نامانوس نہ پاتے ہو تو اس کی تصدیق کرو اور جب تمہارے سامنے میری طرف سے ایسی حدیث بیان کی جائے جو تمہیں نامانوس لگے اور تم اس سے آگاہ نہ ہو تو اس کی تصدیق مت کرو"۔

کنز العمال میں یہی حدیث الفاظ کے اختلاف کے ساتھ کچھ یوں درج ہے:

"اذا حدثتم عنی بحدیث تعرفونه ولا تنکرونه قلته أولم أقله فصد قوابه فانی أقول مایعرف ولا ینکر، واذا حدثتم عنی بحدیث تنکرونه ولا تعرفونه فکذبوا به فانی لا أقول ماینکر ولا یعرف"(۱۱)

"جب تمہارے سامنے میری طرف سے کوئی ایسی حدیث بیان کی جائے جسے تم جانتے ہو اور تم اسے نامانوس نہ پاتے ہو، خواہ میں نے کہی یا نہ کہی ہو، تو اس کی تصدیق کرو، پس میں وہ بات کرتا ہوں جو معروف ہوتی ہے، نامانوس نہیں۔ اور جب تمہارے سامنے میری طرف سے کوئی ایسی حدیث بیان کی جائے جسے تم نامانوس پاتے ہو اور جانتے نہ ہو تو اس کی تکذیب کرو کیونکہ میں وہ بات نہیں کرتا جو نامانوس اور غیر معروف ہو"۔

اسی طرح کی ایک اور روایت بھی منقول ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخلی و خارجی نقد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"اذا سمعتم الحدیث عنی تعرفه قلوبکم و تلین له اشعارکم و ابشارکم و ترون انه منکم قریب فانا اولاکم به و اذا سمعتم الحدیث عنی تنکره قلوبکم و تنفِر منه اشعارکم و ابشارکم و ترون انه منکم بعید فانا ابعدکم منه"(۱۲)

"جب تم کوئی ایسی حدیث سنو جو تمہارے دل کو لگے اور تمہارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور اس کو اپنے سے قریب سمجھو تو میں اس کا تم سے زیادہ حقدار ہوں اور جب تم کوئی ایسی حدیث سنو جسے تمہارے دل قبول نہ کریں اور تمہارے بدن کے بال و پر اس سے نفرت کریں اور اپنے سے اسے دور تصور کرو تو میں اس سے تمہارے مقابلے میں زیادہ دور ہوں"۔

ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أیما حدیث بلغکم عنی تقشعرمنه جلود کم و تشمئز منه قلوبکم و تجدون فی القرآن خلافه فردوه' (۱۳)

''میری طرف سے کوئی بھی ایسی حدیث تم تک پہنچے جس سے تمہارے جلدیں shudder کریں، اور اس سے تمہارے دل disgust کریں اور تم قرآن میں اس کا برعکس پاؤ تو اس کو لوٹا دو''۔

مندرجہ بالا روایات اس بات کی روشن مثال ہیں کہ پیغمبرِ اسلام نے تحقیق و تفتیش اور معاملات کی نوعیت و کیفیت تک پہنچنے کی تلقین کی اور اپنے ارشادات و عمل کے ذریعے تحقیق کی قرآنی روایت کی بنیاد کو پختہ کیا۔

محدثین اور اصولِ روایت و درایت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو دینِ اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے اس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملی نمونے کو اصل شکل میں یاد رکھنے اور اسے آگے پہنچانے کی اسی طرح کوشش کی جس طرح قرآن مجید کو صحابہ کرام نے قولی و عملی تواتر سے آگے پہنچایا۔ مسلمانوں نے اس سلسلے میں اس قدر حزم و احتیاط اور صحت و اتصال کو ملحوظ خاطر رکھا کہ بقول شبلی نعمانی مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہوسکتا کہ انھوں نے اپنے پیغمبر کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصاء کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلمبند نہیں ہوسکے اور نہ آئندہ توقع کی جاسکتی ہے (۱۴)۔ پھر ڈاکٹر اسپرنگر کا بیان اس امر پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے جس میں وہ بیان کرتا ہے کہ مسلمانوں نے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی اکٹھے کرنے کے لیے پانچ لاکھ افراد کے حالات زندگی کو کھنگالا (۱۵)۔ اس ضمن میں مسلمانوں نے دو ایسے اصولوں کی بنیاد رکھی کہ جن کی مثال دینے سے دنیا کی تاریخ قاصر ہے۔ مستشرق پروفیسر فلپ کے حتی (Philip K. Hitt) اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"Among all peoples Moslem stand unique in having developed a Science (ilm) out of their mass of religious Traditions" (16)

''تمام انسانوں میں سے یہ صرف مسلمانوں کا طرہ امتیاز ہے کہ انہوں نے اپنے مجموعہ احادیث کی وساطت سے ایک منفرد علم کو جنم دیا''

اور ان اصولوں کی تشکیل کی وجہ یہ تھی کہ جب اسلامی سلطنت کی توسیع ہوئی اور اسلام عرب ممالک سے نکل کر دیگر ممالک میں پھیلا اور بہت سے عجمی لوگ اس میں شامل ہوئے تو کچھ لوگوں نے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کردیا اور اپنی طرف سے باتیں گھڑ کر ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیا۔ کیونکہ مسلمانوں کا عملی رویہ یہ تھا کہ جب ان کے سامنے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کی جاتی تو مسلمان سرتسلیم خم کیے دیتے لیکن جب لوگوں نے ذاتی مفادات کی آڑ میں جھوٹی احادیث گھڑنا شروع کیں تو مسلمانوں نے احادیث قبول کرنے میں احتیاط سے کام لینا شروع کیا۔ میزان الاعتدال میں حافظ ابن

سیرین کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

"لم یکونوایسئالون عن الاسناد حتی وقعت الفتنة فلما وقعت نظروا من کان من اهل السنة اخذوا حدیثه و من کان من اهل البدعة ترکوا حدیثه" (۱۷)

''پہلے لوگوں سے اسناد کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا تھا پھر جب فتنہ واقع ہوگیا تو یہ احتیاط کی جانے لگی کہ جو اہلِ سنت میں سے ہوتا اس کی روایت تو قبول کرلی جاتی اور جو اہل بدعت میں سے ہوتا تو اس کی روایت کردہ حدیث ترک کردی جاتی''۔

سفیان الثوری کے مطابق:

"الاسناد سلاح المومن، فإذا لم یکن معه سلاح فبأیّ شیئ یقاتل" (۱۸)

''اسناد مومن کا ہتھیار ہے جب اس کے ساتھ ہتھیار نہیں تو وہ کس چیز سے لڑے گا''۔

امام احمد بن حنبل کے مطابق: ''ولولا الاسانید لقال من شاء ماشاء ''(۱۹)

''اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر شخص جو چاہتا کہتا پھرتا''

مسلمانوں کے اسی طرزِ نگارش سے متاثر ہوکر یہودیوں نے بھی تورات کی اسناد تیار کرنے کی کوشش کی۔(۲۰)

محدثین نے اصول روایت و درایت کے ذریعہ ایسے قوانین و اصول منضبط کیے جن کے ذریعہ سے سند اور متن کے احوال کی مکمل معرفت ہوسکے۔ نیز محدثین نے روایت کی حقیقت، اس کی شرائط، مرویات کی اقسام اور ان کے متعلقات کی معرفت کو بیان کیا۔ علم روایت یعنی روایوں کے حالات اور ان سے روایات کرنے کے حوالے سے محدثین نے جو اصول وضع کیے ان میں

۱۔ حدیث کی سند متصل ہونا

۲۔ تمام راویوں کا عادل وضابط ہونا

۳۔ راوی کے متعلق تمام معلومات ہونا کہ وہ کہاں پیدا ہوا۔ کب پیدا ہوا۔ کس شہر میں پیدا ہوا۔ دین، امانت، عقل میں کیسا تھا۔ روایت بیان کرنے اور اسے یاد رکھنے میں اس کی کیا کیفیت تھی۔ اس نے روایت کب سنی، کس کے ساتھ سنی اور اسے کس طرح سے لکھا پھر اس کے شیوخ جن سے اس نے روایت بیان کی ہے کون تھے کہاں کے رہنے والے تھے۔ ان کے حدیث بیان کرنے کے اوقات نیز عادت کیسی تھی کب وفات پائی۔(۲۱)

۴۔ حدیث کا علت وشذوذ سے پاک ہونا

محدثین کرام نے صرف راوی کے حالات اور سلسلۂ سند کو ہی ملحوظ خاطر نہیں رکھا بلکہ درایت کے اصول کے تحت اس بات کا بھی التزام کیا کہ آیا راوی جو کچھ کہہ رہا ہے کیا وہ فی نفسہ درست بھی ہوسکتا ہے کہ نہیں۔ محدثین

نے مقام نبوت، شانِ نبوت، کلامِ نبوت اور حالات وقرائن اور تاریخ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے احادیث پر داخلی نقد کے حوالے سے بہت عمدہ کام کیا اور بہت سے ایسے اصول وضع کیے جن کی بنیاد پر سائنسی انداز سے من گھڑت احادیث کو صحیح احادیث سے الگ کیا جاسکتا ہے۔ کتب اصول احادیث میں ایسے تمام اصولوں کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے وہاں ان کی تفصیلات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

مسلمانوں کے قائم کردہ اصولِ تحقیق اور یورپ کا اخذ واستفادہ:

مسلمانوں نے قرآن وحدیث کی تعلیمات اور محدثین کرام کے قائم کردہ اصولوں کی روشنی میں جس سائنسی طرزِ فکر کو پروان چڑھایا اس کے اثرات عالمی سطح پر نمودار ہوئے اور علم وادب، تنقیح وتنقید، روایت ودرایت تحقیق وجستجو اور تجربہ ومشاہدہ کی ایسی روایت قائم کی اور اس روایت کی بنیاد پر علوم عقلیہ ونقلیہ میں وہ ترقی کی کہ تاریخ انسانی کا کوئی دور بھی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور یہ سب کچھ مسلمانوں سے اتفاقی طور پر نہیں ہوگیا بلکہ جن سے یہ کارنامے سرانجام پائے وہ ایسے دین کے ماننے والے تھے جو تحقیق وجستجو کی تعلیم دیتا ہے گویا کہ وہ اسلامی تصور تعلیم کے حامل تھے۔ (۲۲)

مسلمانوں اور ان کے خلفاء کی علم دوستی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے علم وتحقیق کے باقاعدہ مراکز قائم کیے۔ بیت الحکمت (House of wisdom) اس کی سب سے عمدہ مثال ہے۔ خلیفہ مامون الرشید اس حوالے سے بہت سرگرم تھا۔ اس نے دل وجان سے علم وتحقیق کے کاموں میں حصہ لیا۔ اسے جنون کی حد تک سائنسی علوم سے شغف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مامون نے ایک دن خواب میں ارسطو کو دیکھا جو کہ ایک تخت پر براجمان تھا۔ اپنے خواب کے نتیجہ میں اس نے روم کے حکمران کے پاس ایک وفد بھیجا جس کا مقصد سائنسی کتابوں کا حصول تھا تاکہ ان کو عربی زبان میں منتقل کیا جائے۔ (۲۳)

بیت الحکمت میں ابتدائی طور پر قدیم تہذیبوں خاص طور پر یونانی تہذیب اور یونانی علوم کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔ ظہورِ اسلام کے وقت تو طب، طبیعات اور فلسفہ کا مرکز اسکندریہ تھا۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں پہلی صدی ھجری کے آخر میں انطاکیہ مرکز قرار پایا۔ اسلامی علوم کا مرکز ابتدائے اسلام میں مدینہ تھا۔ وہاں سے بصرہ اور پھر کوفہ منتقل ہوا۔ جب بغداد تعمیر کیا گیا تو علم وادب، فلسفہ، طب اور تمام عقلی ونقلی علوم میں بغداد ام المدائن قرار پایا اور پھر یہاں سے علوم خراسان، ماوراء النہر، قاھرہ، مراکش اور اندلس پہنچے۔ (۲۴)

اسلامی ممالک میں علوم کی تحریک جس وقت اپنے عروج پر تھی یورپ اس وقت میٹھی نیند سو رہا تھا۔ سائنسی علوم اور دوسرے علوم میں مسلمانوں کی ترقی کا یہ عالم تھا کہ آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے گیارھویں صدی کے نصف آخر تک عربی زبان سائنس اور دوسرے تمام علوم کی بنیاد تھی۔ سائنس کے حوالے سے اس دور کی بہترین کتابیں مسلمانوں کے قلم سے عربی زبان میں ہی لکھی گئیں (۲۵)۔ اس دور میں اگر کوئی چاہتا کہ وہ عصری علوم میں

مہارت پیدا کرے اور ان سے باخبر ہو تو اسے عربی زبان پڑھنا پڑتی۔ جس طرح کہ آج کے دور میں اگر کوئی شخص عالمانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہے تو اسے یورپی زبانوں میں سے کم از کم کسی ایک پر دسترس حاصل کرنا ہوگی۔(۲۶)

مغربی مصنفین کے لیے یہ بات بڑی پریشان کن ہے کہ وہ کون سے اسباب وجوہات تھے جن کی بنیاد پر آٹھویں صدی عیسوی سے گیارھویں صدی عیسوی تک مسلم دنیا عیسائی دنیا سے بہت آگے رہی۔ اس حوالے سے ان حضرات نے یہ تاویل پیش کی کہ مسلمانوں نے یونانی، ایرانی اور ہندی ذخیرہ علم دریافت کرلیا تھا اور انہوں نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ اس سے استفادہ کیا اور اپنے سائنسی علوم کی بنیاد انہی ماخذوں پر رکھی اور ریاضی، کیمسٹری، فزکس، ٹیکنالوجی، جغرافیہ اور طب میں خدمات سرانجام دیں(۲۷)۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ مسلمانوں نے ابتدائی طور پر یونانی علوم سے اخذ واستفادہ کیا لیکن یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ مسلمانوں نے مروجہ علوم میں نہ صرف قابلِ قدر اضافے کیے بلکہ بہت سے علوم کی بنیاد رکھی اور ان کے بانی کہلائے اور یورپ میں علمی بیداری جو پیدا ہوئی تو اس کا سبب مسلمان ہی تھے۔ جس کے لیے یورپ ہمیشہ مسلم دنیا کا مقروض رہے گا۔(۲۸)

علاوہ ازیں انیسویں صدی کے بعض یورپین حضرات نے یہ تاثر پیدا کرنے کی بھی کوشش کی کہ اسلام سائنس کے مخالف رہا ہے اور یہ بات کرتے ہوئے اس حقیقت کو بھول گئے کہ قرونِ وسطی کے حوالے سے لکھنے والے بہت سے مستشرقین نے مسلمان سائنس دانوں کی خدمات کا نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ ان کو (Our Arabs Masters) قرار دیا ہے(۲۹)۔ سر تھامس آرنلڈ (Thomas Arnold) اور الفریڈ گیوم (Alfred Guillaume) الکندی کی سکالرشپ کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ راجر بیکن (Roger Bacon) اور دوسرے مغربی سائنس دان الکندی سے متاثر ہوئے اور اخذ واستفادہ کیا۔(۳۰)

مسلم دنیا سے یورپ میں علوم کی منتقلی تین طرح سے ہوئی۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد مسعود لکھتے ہیں:

The agencies through which The Scientific Knowledge passed from the Muslim World to Europe were the following:

1.Towns   2. Persons   3. Crusades   4. Medical Schools (۳۱)

سائنسی علم مسلم دنیا سے یورپ کی طرف مندرجہ ذیل ذرائع سے منتقل ہوا۔

۱۔ شہروں کے ذریعے   ۲۔ صلیبی جنگوں کے ذریعے   ۳۔ لوگوں کے ذریعہ

۴۔ طبی مدارس کے ذریعہ

یورپ کا پہلا طبی مدرسہ (Medical College) وہ تھا جسے عربوں نے اٹلی کے شہر سلرنو میں قائم کیا اور پہلی رصدگاہ جو یورپ کو نصیب ہوئی وہ بھی اموی خلیفہ کی سرپرستی میں بمقام اشبیلیہ اسپین قائم ہوئی۔(۳۲)

یورپ میں سائنسی علوم اور سائنسی انقلاب کا زمانہ سولہویں اور سترھویں صدی عیسوی ہے۔ یورپ کے

موجودہ سائنسی انقلاب کی بنیاد عربی زبان سے لاطینی زبان میں مسلمانوں کے علوم کی منتقلی ہے۔ یورپین ممالک کے حکمرانوں نے اس بات کا اہتمام کیا کہ اپنے یورپی تمدن و ثقافت میں عربوں کے علوم و فنون کو پروان چڑھایا اور ان سے اخذ و استفادے کا بھرپور انتظام کیا اور اپنے سائنسی انقلاب کی بنیاد مسلمانوں کی کتابوں پر ہی رکھی (۳۳)۔ جو انہوں نے عربی سے لاطینی میں منتقل کی تھیں۔ ترجمہ ونقل کا کام دسویں صدی عیسوی میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ اولین ناقلین ومترجمین میں سلفستر الثانی (Selvester II) ھرمان (Harman) اور قسطنطین وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

بارھویں صدی عیسوی میں طلیطلہ اور عرب دنیا کے دیگر شہر اپنی طرف مائل ہونے والے ان مغربی حضرات کو خوش آمدید کہنے والے اور ان کی میزبانی کرنے والے بن گئے جنھوں نے ترجمہ اور تالیف و تصنیف کی غرض سے ان شہروں کا رخ کیا تھا۔ جس طرح کہ ہارون الرشید اور مامون کے دور میں بغداد کی حیثیت تھی۔ ان حضرات میں ریمون (طلیطلة کا پادری)، افلاطون الطیوری اولاد الباجی، یوحنا، کندیسالفی، ھرمان الدلماتی اور مرقس الطلطلی وغیرہ اہم ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ ترجمہ کے حوالے سے جس شخص نے کام کیا وہ جیرار الکرمانی ہے اس نے تقریباً ۸۰ کتابوں کا ترجمہ کیا جو کہ قدیم علوم مثلاً منطق، فلسفہ، ریاضیات، نجوم، طبیعات، کیمیاء وغیرہ کا احاطہ کرتی تھیں اور جن کے مؤلفین یونانی اور عرب تھے۔ یہ تمام کتابیں عربی سے منتقل کی گئیں۔ جس طرح مامون الرشید نے بیت الحکمت قائم کیا اور مختلف ممالک سے اھل علم حضرات کو اکٹھا کیا اسی طرح کی ایک کوشش فریڈریک الثانی (۱۲۵۰ء) اور فونس صاحب قشتالة نے بھی کی کہ اس نے اپنے پاس مترجمین اور ناقلین کو اکٹھا کیا اور عربی زبان سے علوم کو پہلے (Spanish) زبان میں اور پھر لاطینی زبان میں منتقل کیا۔ یہ خبر تمام یورپ میں پھیل گئی۔ تمام یورپ نے اس کی تقلید کی اور اس عرصہ میں تقریباً ۳۰۰ کتابوں کو عربی زبان سے یورپی زبان میں منتقل کیا گیا۔ (۳۴)

عصرِ حاضر کی سائنس تجربہ، مشاہدہ، اخذ نتائج اور تنظیم نتائج کے تحقیقی اصولوں کی جس عمارت پر کھڑی ہے وہ اصول بھی مسلمانوں کے قائم کردہ ہیں۔ مسلمانوں کی کتاب قرآن نہ تو سائنس کی کتاب ہے اور نہ ہی فلسفہ کی بلکہ کتابِ ہدایت ہے اور اس ہدایت کے حصول کے لیے کائنات اور اس کے مظاہر میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے اور اندھی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔ سائنس اگر اندھی تقلید سے منع کرتی ہے تو قرآن اس سے چار قدم آگے بڑھ کر اس رویے کی مذمت کرتا ہے۔ سائنس اگر تجربہ اور مشاہدہ کو لازم قرار دیتی ہے تو قرآن بھی انسان کے حواسِ خمسہ، شعور اور جذبات کو جھنجھوڑتا ہے اور یہ دعوت محض کھوکھلی دعوت نہیں بلکہ اس کا مرکز غور و فکر، تجربہ، مشاہدہ اور عبرت (اخذ نتائج) ہے۔

استقرائی (Inductive) اور استخراجی (Deductive) طریقہ تحقیق سائنس کے بنیادی اصولوں میں سے ہیں۔ ان اصولوں کی بنیاد قرآن میں مذکور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات سے بخوبی سمجھی جاسکتی ہے۔ (۳۵)

سائنسی اصولوں کے حوالے سے مسلمانوں کی برتری کا اعتراف خود یورپین مصنفین نے بھی کیا ہے۔ اس حوالے سے ملاحظہ ہو رابرٹ بریفالٹ کا مندرجہ ذیل اقتباس:

"The Greeks systematized, generalized and theorized, but the patient ways of investigation, the accumulation of positive knowledge, the minute methods of science, detailed and prolonged observation, experimental inquiry, were altogether alien to the Greek temperament. Only in Hellenistic Alexandria was any approach to scientific work conducted in the ancient classical world. what we call science arose in Europe as a result of a new spirit of inquiry, of new methods of investigation, of the method of experiment, observation, measurement, of the development of mathematics in a form unknown to the Greeks. That spirit and those methods were introduced into the European world by the Arabs"(۳۶).

''اس میں شک نہیں کہ یونانی اپنے علوم کو مرتب کرتے تھے۔ عمومیت دیتے تھے۔ نظریات قائم کرتے تھے لیکن صابرانہ تحقیق و تفتیش۔ مثبت علم کی فراہمی سائنس کی باریک بینی مفصل وطویل مشاہدات اور تجربی تجسس یہ سب لوازم علمی یونانی مزاج سے قطعاً بعید تھے۔ قدیم کلاسکی دنیا میں صرف ھیلانی اسکندریہ کے اندر سائنسی عمل کی سعی کا سراغ ملتا ہے۔ ہم جس چیز کو سائنس کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ ان امور کا نتیجہ ہے کہ تحقیق کی نئی روح پیدا ہوگئی۔ تفتیش کے نئے طریقے معلوم کیے گئے۔ تجربے، مشاہدے اور پیمائش کے اسلوب اختیار کیے گئے۔ ریاضیات کو ترقی دی گئی اور یہ سب کچھ ایسی شکل میں نمایاں ہوا جس سے یونانی بالکل بے خبر تھے۔ دنیائے یورپ میں اس روح کو اور ان اسالیب کو رائج کرنے کا سہرا عربوں کے سر ہے۔

جدید سائنسی اصطلاحات میں سے بیشتر عربی الفاظ کی مسخ شدہ صورتیں ہیں اور بعض مسلمانوں کے نام انگریزی زبان میں اس طرح سے تبدیل کیے گئے ہیں کہ پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ لوگ غیر مسلم یورپین ہیں۔''(۳۷)

مستشرقین کے اصول تحقیق اور علومِ اسلامیہ:

قرون وسطی کے مسلمان سیاسی، معاشرتی، ثقافتی، علمی، سائنسی غرضیکہ ہر لحاظ سے اہل مغرب/ یورپ پر حاوی تھے۔ صلیبی جنگوں (۴۸۹ھ/۶۹۱ھ) میں شکست سے دوچار ہونے کے بعد مغرب نے سنجیدگی کے ساتھ اسلام سے نمٹنے کی کوشش شروع کی اور اہل مغرب میں بیداری کی لہر پیدا کرنے کی ٹھانی۔ دوسری طرف مسلمانوں کے اندر بھی کچھ کمزوریاں ظاہر ہونا شروع ہوئیں۔ اسی دور میں مغرب اپنی پستی کے اسباب کا باقاعدہ ادراک کرتا ہے اور اپنے مرض کی باقاعدہ تشخیص کرکے اس کا علاج شروع کرتا ہے۔ نئی حکمت عملی اپناتا ہے اور عسکری میدان کی بجائے اب کی بار فکری و علمی میدان کو منتخب کرتا ہے اور صلیبی جنگوں کے بعد مسلمانوں کو (Crusade of the Pen) کے ذریعہ ٹارگٹ بنایا جاتا ہے۔ (۳۸)

اس غرض سے یورپ کی جامعات میں اسلام کے مطالعے کے لیے باقاعدہ طور پر شعبہ جات قائم کیے گئے اور ان لوگوں نے اسلامی علوم وفنون سے براہِ راست استفادہ کرکے مختلف علوم میں اپنا لوہا منوایا۔ یہ نازک مرحلہ تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب اسلامی خلافت نے عروج سے زوال کی طرف سفر کا آغاز کیا تھا جبکہ مغرب نے زوال سے عروج کی طرف کمر باندھی تھی۔ مسلمانوں کے علمی ذخائر پر تسلط کے بعد یورپ میں مجموعی طور پر بہار آگئی جبکہ عالمِ اسلام میں خزاں نے اپنے ڈیرے جمانے شروع کردیے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ مسلمانوں نے اپنے اسلاف کے وضع کردہ تحقیقی اصولوں اور تحقیقی مزاج کو چھوڑ دیا تھا جبکہ اہل مغرب نے ان کو اپنالیا۔ یہ حضرات اس میزان کے ذریعے سے جو علمائے حدیث کے یہاں علم المصطلح اور علم اصول الحدیث سے موسوم ہے، صحت و سقم اور صدق و کذب کی معرفت پر اور تاریخی بیان میں بعض لوگوں کو عارض ہونے والے اوہام کی نشاندہی پر قادر ہوئے (۳۹)۔ مستشرقین کا ایک خاص گروہ وجود میں آیا۔ جس نے خاص طور پر عقائد، ایمانیات، حدیث، سیرت، تاریخ، فلسفہ، جغرافیہ، ادبیات، سیاسیات، سماجیات، معاشیات، اندلسیات، اسلامی سائنس، قانون وشریعت اور جمالیات کے حوالے سے اپنی تحقیقات پیش کیں۔ لیکن صد حیف کہ یہی لوگ جب دوسرے علوم کے حوالے سے اپنی تحقیقات پیش کرتے ہیں تو وہاں حقائق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے لیکن جب علوم اسلامیہ کے حوالے سے تحقیق کرتے ہیں تو عدل وانصاف اور تحقیق و تنقیح کے تمام اصول ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی اس حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''اس میں شبہ نہیں کہ یوروپین زبانوں میں عام خاص تاریخوں اور مختلف قوموں اور ان کے علمی کارناموں پر نہایت عمدہ کتابیں ہیں.......... ان میں دیکھنے والے کو ایک خاص بات نمایاں نظر آتی ہے کہ جب تک وہ قدیم و جدید تاریخ مثلاً مصر قدیم اور اس کے آثار اور عراق اور اس کی گذشتہ عظمت وغیرہ پر لکھتے ہیں تو اس وقت تک نہایت محققانہ لکھتے ہیں لیکن جب وہ اسلامی مباحث یا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کا قلم بہک جاتا ہے اور وہ نہایت لغو، مہمل، ذلیل، رکیک بلکہ جھوٹ باتیں تک لکھ جاتے ہیں۔ (۴۰)

مستشرقین نے جس محنت، لگن، علمی دیانت اور تحقیقی اصولوں کی پاسداری کا مظاہرہ ادب، تاریخ، سائنس اور دیگر علوم میں کیا ہے۔ وہ معیار اسلام کے ساتھ اپنے خبثِ باطن کی وجہ سے برقرار نہ رکھ سکے۔ مستشرقین نے اپنے مطالبات میں مؤرخانہ اصول تحقیق کو برتنے کے بھرپور دعوے کیے اور (Objective Historical Research) کے بلند بانگ نعرے لگائے (۴۱)۔ لیکن عملی طور پر صورتِ حال اس سے مختلف تھی۔ ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور اسلام کے بارے میں لکھتے وقت ثانوی اور بنیادی، مستند اور غیر مستند، ناقص اور غیر ناقص مآخذ میں کوئی فرق نہیں برتا۔ رد وقبول کے خودساختہ معیارات قائم کیے۔ ذاتی مقاصد کے لیے روایات کو غلط سیاق و سباق میں استعمال کیا۔ مقاصد تحقیق کا تعین پہلے سے ہی کر لیا جاتا اور پھر اسی کے مطابق روایات کو ڈھال لیا جاتا۔ مشرق اور خاص طور پر عربوں کی عادات و خصائل اور رسم و رواج کو مغربی معاشرے کے رسم و رواج اور عادات و خصائل پر پرکھتے۔ جس مستشرق کی جس ماحول میں پرورش ہوئی تھی اسی کے مطابق عرب کے حالات کو ڈھالنے اور پیش کرنے کی سعی کرتا۔ امر کلی کو امر جزئی سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ عربی زبان و ادب میں عدم دسترس بھی ان حضرات کی غلطیوں کا ایک بڑا سبب تھی۔

مستشرقین کی ایک بنیادی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے ایک علم سے متعلق روایات کو غلط طور پر دوسرے علوم میں استعمال کیا۔ مثلاً تاریخ حدیث کے سلسلے میں ادب کی کتابوں سے کام لیتے ہیں جبکہ تاریخ فقہ میں تاریخ کی کتابوں سے روایات لے کر قلم لگاتے ہیں الدمیری کی کتاب الحیوان میں جو بات نقل کی جاتی ہے وہ تو ان کے نزدیک قابلِ قبول ہے لیکن امام مالک کی مؤطا میں مذکور روایات کو جھٹلاتے ہیں۔ (۴۲)

ایک مستشرق (شاخت) امام شافعی کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ وہ فریق مخالف کی باتوں میں اپنی طرف سے اضافہ اور مبالغہ آمیزی سے کام لیتے تھے اور علمی معروضیت کے پابند نہیں تھے۔

"Shafi's eagerness to prove his new legal theory and the new legal doctrine based on it as the only legitimate interpretation of Muhammadan religious law, causes him to make unjustified assumptions, to argue arbitrarily and illogically, and to misrepresent and exaggerate the opinions of his opponents" (۴۳)

اب سوال یہ ہے کہ امام شافعی کا اگر یہی مرتبہ اور مقام ہے اور ان کے علمی کردار کے حوالے سے شکوک وشبہات ہیں تو دیگر مخالفین پر ان کے اعتراضات کو کس طرح دلیل بنایا جا سکتا ہے کیونکہ شاخت کا یہ دعویٰ ہے کہ اہلِ عراق (احناف) حدیث کو اس کے اصل مقام سے نیچے گرا کر دوسرے درجے میں رکھتے ہیں اور آثارِ صحابہ کو اس پر

ترجیح دیتے ہیں۔ دلیل کے طور پر اس مستشرق نے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے۔ اب اگر شاخت جب امام شافعی پر خود علمی غیر دیانتداری کا الزام عائد کرتا ہے تو پھر امامِ اعظم کی تردید میں ان کے قول کو بطور دلیل پیش کرنے کے لیے کون سا منطقی جواز اس کے پاس موجود ہے۔ (۴۴)

گولڈزیہر (Goldziehar) جیسا مستشرق یہ کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کو یہ پتہ نہ تھا کہ غزوہ بدر غزوہ احد سے پہلے تھا یا بعد میں اس حوالے سے وہ الدمیری کی کتاب کتاب الحیوان سے روایت نقل کرتا ہے جو کہ اس موضوع کے حوالے سے کسی بھی اصول تحقیق کی روشنی میں معتبر نہیں ہوسکتی۔ (۴۵)

اسی طرح شاخت جب معتزلہ کے انکار حدیث کے حوالے سے بات کرتا ہے (۴۶) تو ان کے عقائد کی تشریح کے لیے ان کی اصل کتابوں کو دیکھنے کی زحمت گوارا کرنے کی بجائے ابن قتیبہ دینوری، جو کہ اپنی معتزلہ دشمنی کی وجہ سے مشہور ہے، کی عبارتوں کا سہارا لیتا ہے اور ان کے انکار کو ثابت کرتا ہے۔ اصولِ تحقیق کی رو سے اس طرح استدلال کرنا کسی طور جائز اور درست نہیں۔ (۴۷)

سرسید احمد خان نے جب ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمد'' کا جواب دیا تو اس میں بھی انہوں نے اسی بات کا رونا رویا کہ مستشرقین اپنے اصول تحقیق میں عدل وانصاف سے کام نہیں لیتے اور اپنے لیے کچھ اور دوسروں کے لیے کچھ اور اصول تحقیق مقرر کرتے ہیں۔ سرسید کے مطابق ولیم میور اپنی کتاب کے حاشیے میں نہایت ضعیف اور نہایت غیر مستند روایتیں واقدی سے نقل کرتے ہیں۔ لیکن اس بات کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اگرچہ ولیم میور کے نزدیک قریب قریب تمام موجودہ روایات اسلام محض بناوٹی ہیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنے سب بیانات کو واقدی کی روایت پر مبنی کیا ہے۔ جس میں ضعیف ترین روایات منقول ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ ان سب روایتوں کو ہمارے خلاف استعمال کرتے ہیں حالانکہ تحقیق اور غیر متعصّبانہ تصنیف کے مسلمہ قوانین کی رُو سے، نیز اپنے عقیدے کے مطابق ان کو لازم تھا کہ اول احادیث صحیحہ اور موضوعہ کی تحقیق اور تمیز کرتے اور پھر مذہبِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی نسبت معترض ہوتے۔ تمام عیسائی مصنفوں کی تصنیفات میں جنھوں نے دینِ اسلام کی نسبت لکھا ہے اسی ضروری امر میں کوتاہی پائی جاتی ہے۔ مگر وہ اپنے عیبوں کو نہایت خوشگواری سے ہضم کر جاتے ہیں اور دوسروں کی نسبت عجیب و غریب پیرائے میں نکتہ چینی کرنے کو موجود ہوتے ہیں۔ (۴۸)

مستشرقین میں منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) کو خاص امتیاز حاصل ہے کہ جب اس نے اپنی کتاب (Muhammad at Mecca) لکھی تو اس کے دیباچے میں چند اصول تحقیق کا ذکر کیا اور ان کا لحاظ رکھنا اپنے اوپر لازم ٹھہرالیا، لکھتا ہے:

"I Have endevoured, while remaining faithful to the standards of western historical scholarship, to say nothing that would entail the

rejection of any of fundamental doctrines of Islam" (۴۹).

''میں نے کوشش کی ہے کہ تاریخی مطالعہ وتحقیق کے مغربی اصولوں کی پابندی کروں اور یہ کہ کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جس سے اسلام کے بنیادی عقائد کی تردید لازم آئے۔''

علاوہ ازیں اس نے مغربی محققین کے مسلمانوں کے لیے ناقابلِ قبول نتائج پر بحث وتنقید کرتے ہوئے کہا کہ ان مغربی مصنفین و محققین نے تحقیق و مطالعہ کے اصولوں کی پاسداری نہیں کی (۵۰)۔ لیکن افسوس کہ جب وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر قلم اٹھاتا ہے تو خود پر لازم کیے گئے اصول تحقیق کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے اور انہی مصنفین کی صف میں جا کھڑا ہوتا ہے جن پر نقد کر کے اس نے اپنی کتاب کا آغاز کیا تھا۔

مندرجہ بالا صفحات میں مستشرقین کی ''آزادانہ تحقیق'' کی چند مثالیں پیش کی گئی ہیں ایسی ڈھیروں مثالیں ان حضرات کی کتب میں بآسانی مل سکتی ہیں اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ حقائق پر اظہار رائے محقق کا حق اور حصہ ہے لیکن سب سے پہلے ضروری ہے کہ حقائق صحیح ہوں۔ مستشرقین کی بددیانتی یہ ہے کہ وہ حقائق کو توڑ مروڑ کر اور غلط انداز میں پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے حقائق و واقعات کی تلاش و بیان کے مقابلے میں اظہارِ رائے پر زیادہ زورِ قلم صرف کیا ہے۔ صفحے کے صفحے پڑھتے چلے جائیے آپ کو رائے کا اظہار نہایت خوبصورت اور پرشکوہ الفاظ میں ملے گا۔ لیکن حقائق کی دریافت اور تحلیل وتجزیہ کے بارے میں نہایت سطحی قسم کی تحریریں ملیں گی (۵۱)۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان حضرات کی ''تحقیق'' کے نام پر لکھی گئی ایسی تحریروں کو بے نقاب کیا جائے اور ان کا مدلل اور محققانہ انداز میں جواب دیا جائے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ Altick Richard D, The Art of literary Research, w.w. Norton & Company, New York, p.3.

۲۔ Nick Moor, How To do Research, The library association, London, p.3

۳۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان ۲۰۰۲، ص: ۳۹۔

۴۔ الجاثیہ ۴۵: ۱۳۔

۵۔ Maurice Bucaille, The Bible, The Quran and Science, BB Book & Books Ferozpur Road, Lahore, p.vi-vii

۶۔ Draper, John William, History of the Conflict between Religion and Science, Henry S. Kind & Com. London 1875, p.207

۷۔ الحجرات: ۴۹: ۶۔

۸۔ مسلم بن حجاج القشیری، صحیح، بیت الافکار الدولیہ ریاض ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸م، مقدمہ مسلم۔ص: ۲۲۔

۹۔ الکنانی، لابن الحسن علی بن محمد بن عراق، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعہ، تحقیق عبدالوہاب، مکتبۃ القاھر بمعر فصل فی حقیقۃ الموضوع، ص: ۷۔

۱۰۔ الجرجانی، ابی احمد عبداللہ بن عدی، الکامل فی ضعفاء الرجال، دارالفکر بیروت ۱/ ۲۶۔

۱۱۔ الہندی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۰۵ھ۔ ۱۰/ ۲۳۰۔

۱۲۔ احمد بن حنبل، امام، مسند امام احمد، حدیث ابی سید الساعدی، بیت الافکار الدولیۃ ریاض ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۲م حدیث نمبر ۱۴۱۵۵، ص: ۱۱۱۹۔

۱۳۔ ابن حزم، ابی محمد علی، الظاھری، الاحکام فی اصول الاحکام، ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمہ والتالیف فیصل آباد ۱۴۰۴ھ ۱/ ۷۷۔۷۶۔

۱۴۔ نعمانی، شبلی، سیرۃ النبی، الفیصل ناشران اردو بازار، لاہور ۱۹۹۱ء، ص: ۲۵۔

۱۵۔ ایضاً، ص: ۴۱۔۴۰۔

۱۶۔ Hitt, Philip. K., History of the Arabs, Macmillan Co. LTD 1953, p.393.

۱۷۔ ذھبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، المکتبۃ الاثریہ، سانگلہ ھل، شیخوپورہ، ۳/۱۔

۱۸۔ ابن الاثیر، ابی السعادات مبارک بن محمد، جامع الاصول من احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، دارا حیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۰ھ۔ ۱۹۸۰، ۱/۵۹۔

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ غازی، کرنل (ر) ڈاکٹر عمر فاروق، تحقیق کے اصول وضوابط۔ احادیث نبویہ کی روشنی میں۔ فاران کمیونی کیشنز، لاہور ۱۹۹۸، ص:۱۵۳۔

۲۱۔ ابن ابی حاتم، ابی محمد عبدالرحمٰن، الجرح والتعدیل، دارا حیاء التراث العربی بیروت ۱۲۷۱ھ/ب۔ج۔

۲۲۔ Nasar, Seyyed Hossein, Islamic Science, Suhail Academy, Lahore, p.3

۲۳۔ Nicholson, R.A A literary History of the Arabs, Curzon Press LTD. 1993, p.359

۲۴۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، مطبعۃ الھلال بالفجالہ مصر ۱۹۰۵۔ ص:۱۶۲۔

۲۵۔ The Encyclopaedia Americana, 24/386

۲۶۔ George Sarton, Introduction to the History of Science, The Williams & Wilkins Company Baltimore, p.17

۲۷۔ Bertrand Russell, History of Western Philosophy, George Allen and Unwin LTD, London 1957, p.447-448

۲۸۔ Nicholson, A Literary History of the Arabs, p.359

۲۹۔ Arne Hessenbruch (Editor), Encyclopaedia of the History of Science, Pentagon Press, New Delhi, p.642

۳۰۔ Arnold, Sir Thomas, The legacy of Islam, Oxford University Press, 1949, p.320.

۳۱۔ Saud, Muhammad, Dr. Islam and Evolution of Science, Islamic research Institute, Islamabad, 1986, p.16/ Encyclopaedia Britannica 16/367

۳۲۔ Draper, History of the Conflict Between Religion and Science, p.115

۳۳۔ جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، مطبعۃ الھلال، ۲/ ۳۵۔

۳۴۔ ایضاً ۴/ ۱۳۴۔۱۳۳۔

۳۵۔ (i) البقرہ: ۲: ۲۶۰۔ (ii) الانعام: ۶: ۷۹۔۷۳۔

۳۶۔ Robert Briffault, The Making of Humanity, George Allen & Unwin LTD. London, p.191

۳۷۔ Saud, Muhammad, Islam and evolution of Science, p.18-19

۳۸۔ Qureshi, Zafar Ali, Prophet Muhammad and his western critics, Idara Ma'arif Islami Munsoora, Lahore 1992, p.4

۳۹۔ راغب الطباخ، تاریخ افکار وعلومِ اسلامی، مترجم افتخار احمد بلخی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور ۱۹۸۹ء، ۲/ ۲۸۶۔

۴۰۔ ندوی، شاہ معین الدین، مستشرقین کے متعلق دو متضاد رائیں، اسلام اور مستشرقین مرتبہ، ڈاکٹر محمد عارف عمری، دارالمصنفین اعظم گڈھ یوپی الہند، ۲۰۰۶ء، ص: ۱۷۲۔

۴۱۔ Qureshi, Zafar Ali, Prophet Muhammad and his western critics, p.xi

۴۲۔ السباعی، مصطفیٰ، الدکتور، السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی، قاھرہ مکتبۃ دارالعروبۃ ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء، ص: ۳۶۶۔

۴۳۔ Joseph Schacht, The Origins of Muhammadan Jurisprudence, Clarendon Press Oxford. 1950, p.321

۴۴۔ الاعظمی، محمد مصطفیٰ، المستشرق شاخت والسنۃ النبویۃ (بحوث ودراسات مختارۃ) افتراءات المستشرقین علی الاسلام والرد علیھا، مرتب، الدکتور یحیی مراد، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۵ھ ص: ۲۵۳۔

۴۵۔ السباعی، مصطفیٰ، ڈاکٹر، المستشرقون والاسلام، مترجم سلمان شمسی ندوی، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص: ۱۷۔

۴۶۔ Joseph Schacht, The Origins of Muhammadan Jurisprudence, p.128, 129

۴۷۔ الاعظمی، محمد مصطفیٰ، المستشرق شاخت والسنۃ النبویۃ، ص:۲۵۴۔

۴۸۔ سید احمد خان، سر، الخطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۴ء، ص:۲۷۵۔

۴۹۔ Watt, W, Montgomery, Muhammad at Mecca, Oxford University Press - Karachi 2006, p.x.

۴۲۔ Ibid.

۵۱۔ افتخار حسین، آغا، یورپ میں تحقیقی مطالعے، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۷ء۔ ۲۹۳۔